(12)

مصائب میں قدم آگے ہی بڑھے

(فرمودہ ۲۱؍جون ۱۹۱۸ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائی :-

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝

(سورۃ احزاب: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کے ماتحت تین مہینہ کے بعد مجھ کو آپ لوگوں کو کچھ سنانے کا موقعہ ملا ہے خطبہ جمعہ درحقیقت مسلمانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے[1] اور رسول کریمؐ نے کیا خود خدا نے ہی مقرر فرمایا ہے۔ درحقیقت انسان کی عادت کو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فرائض سے بار بار آگاہ نہ کیا جائے تو غافل ہو جاتا ہے سوائے اس شخص کے جس کا دل ایسا مصفّٰی اور مجلّٰی ہو جاتا ہے۔ اور اس کو رویت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کے علاوہ باقی تمام انسان بار بار کی آگاہی اور تنبیہہ کے محتاج ہیں۔ حتّٰی کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بھی اس کے محتاج تھے۔

ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض کیا کہ میں تو منافق معلوم ہوتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کس طرح۔ اس نے کہا کہ جب حضورؐ کے سامنے آتا ہوں تو دوزخ اور جنّت دونوں میرے سامنے آجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنّت ہے۔ اگر میں خدا کی اطاعت کروں گا تو اس میں مجھ کو جگہ دی جائے گی اور اگر اس کی نافرمانی کروں گا تو یہ دوزخ ہے اس میں مجھے ڈال دیا جائے گا۔ لیکن جب حضورؐ کے پاس سے چلا جاتا ہوں تو یہ حالت نہیں رہتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب ماجاء فی الاستماع للخطبۃ والانصات

کہ اگر تمہاری ہر وقت ایک سی حالت رہے تو پھر تم ہلاک نہ ہو جاؤ[1]؟ اب دیکھئے وہ کیا چیز تھی جو اس صحابیؓ کے سامنے دوزخ اور جنت کو لا کھڑا کرتی تھی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک تھی جس کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا تھا کہ کوئی ضرور خدا ہے جس نے اس شخص کو اپنا رسول بنا کر ہماری اصلاح و ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ اور جو ہمیشہ اپنے رسولوں کو بھیجا کرتا ہے جو آکر لوگوں کو ہلاکت سے بچاتے ہیں۔ جس طرح واعظ خُطبہ سے دوسروں کو کسی امر کی طرف توجہ دلاتا ہے اور الفاظ کو اپنے خیالات اور منشاء کے ادا کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اسی طرح خدا کے نبی اپنی شکل کے ذریعہ سے وعظ کرتے ہیں۔ ان کی شکل و صورت مجسّم وعظ ہوتی ہے۔ وہ شخص جس کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ بیشک اس کے لیے ضروری ہے کہ کھڑا ہو کر وعظ کرے اور الفاظ کے ذریعہ دوسروں کو متاثر کرے۔ مگر وہ جس کا جسم اس کے الفاظ ہوں اور جس کے الفاظ اس کے اعمال ہوں اس کے لیے ضروری نہیں کہ منبر پر چڑھ کر ہی وعظ کرے۔ بلکہ جب اس پر کسی کی نظر پڑتی ہے تو اسے وہ مجسم وعظ نظر آتا ہے جس کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ہی تو تھا جو دوزخ و جنّت دونوں کو سامنے لا کھڑا کرتا تھا۔ مگر لوگوں کے فہم کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ یہ لوگ بھی خطبہ سے کام لیتے ہیں اور ان کو سمجھا دیتے ہیں۔ پھر زبانی واعظ کا سلسلہ اس لیے جاری کیا گیا کہ ہر واعظ کی وہ حالت نہیں ہوا کرتی۔ جو خدا کے خاص بندوں کی ہوا کرتی ہے۔ رسول کریمؐ علاوہ اس تعلیم کے جس کے بغیر نجات نہیں آپؐ کا وجودِ مبارک بھی مجسّم وعظ تھا۔ مگر اور واعظ جو کھڑا ہوتا ہے تو اس کا وجود اس بات کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ زبانی بھی کہتا ہے اور اسی کا نام خُطبہ ہے۔ پس خطبات کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلام کے احکام کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور یہ وہ حکمت ہے جو اسلام نے خطبات میں رکھی ہے۔

خطبات تمام اہم ہیں۔ عیدین کے خطبے۔ حج کا خطبہ۔ مگر جمعہ کا خطبہ بھی اپنی اہمیت کے لحاظ سے کچھ کم نہیں۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت تھی جس کے ماتحت تین مہینہ تک مجھ کو خطبہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ ڈیڑھ مہینہ کے قریب تو سفر میں گزر گیا اور اس سے پہلے اسی قدر عرصہ تک بیماری کی وجہ سے موقع نہیں مل سکا۔ اس عرصہ میں بیماری کے علاوہ صحت کے قیام کے لیے ڈاکٹر ضروری سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں کہ فکر اور جوش پیدا کرنے والے کسی کام میں حصہ نہ لوں۔ چنانچہ اس عرصہ میں مَیں نے جماعت کے کاموں میں اس طرح حصّہ نہیں لیا جس طرح پہلے لیتا تھا۔ گویا یہ عرصہ میں نے کسی اَور ہی دُنیا میں گزارا ہے

---

[1] صحیح مسلم کتاب التوبہ باب فضل دوام الذکر و الفکر فی امور الآخرۃ و المراقبۃ و جواز ترک ذلک فی بعض الاوقات۔

مگر تاہم جماعت کے اعمال اور حالات میری نظر سے پوشیدہ نہیں رہے۔

میں آپ لوگوں کے سامنے اس بات پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہماری جماعت میں ابھی ایسے لوگ ہیں جو ہر وقت نگرانی چاہتے ہیں۔ اور ان کی حالت ایسے بچوں کی سی ہے کہ جن سے ماں باپ نے ذرا غفلت کی اور اپنی نگرانی کو ہٹایا تو لڑنے جھگڑنے میں لگ گئے۔ یہ ہمیں کی حالت نہیں باہر کی جماعتوں کی بھی یہی حالت ہے۔ ذرا توجہ ہٹی تو ان کے قادیان کے ساتھ تعلقات میں سستی پیدا ہو گئی۔ گویا وہ ایک انتظام کے ماتحت تو جھاڑو کی سینکوں کی طرح بندھے ہوتے ہیں۔ مگر توجہ ہٹنے کے ساتھ ہی تنکوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔

ان ایام میں بیرونجات سے ایسے خط آتے ہیں کہ ہمیں اب خوب سمجھ آگئی ہے کہ خلافت کی ضرورت ہے، لیکن یہی کافی نہیں ہے کہ ان کو خلافت کی ضرورت معلوم ہو گئی ہے بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ خلافت سے فوائد حاصل کریں۔

میں یہاں کے دوستوں اور بیرونی احباب کو تبلانا چاہتا ہوں کہ خدائی سلسلوں کا کسی خاص شخص سے تعلق نہیں ہوا کرتا۔ بڑے سے بڑا وجود جو دُنیا میں آیا اور آسکتا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک تھا۔ مگر باوجود اسقدر بلند شان کے آپ کی وفات سے بھی اسلام مٹ نہیں گیا۔ خدا کی طاقت کمزور نہیں ہو گئی۔ وہی خدا جو پہلے تھا۔ اب بھی ہے۔ وہی اس کی قدرت نمایاں ہیں۔ خدا کی قدیم سے دو سنتیں ہیں کہ انبیاء اور ان کے ماننے والے ابتداً دنیاوی لحاظ سے بڑی حیثیت اور مال والے لوگ نہیں ہوتے۔ ان کی فوجیں اور ملک نہیں ہوتے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ بڑے بڑے ملکوں اور فوجوں والے ہوں تو لوگوں کو یہ خیال ہو کہ شاید یہ ان فوجوں کے ذریعہ ترقی پا گئے۔ چونکہ غیور خدا اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے کام کسی انسان کی طرف منسوب کئے جائیں۔ اس لیے اس کے انبیاء اور ان کے متبعین ابتدا میں دنیاوی شان و شکوہ کے مالک نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کی نظر میں حقیر ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دوسری یہ سنت ہے کہ اپنی کامل قدرت نبی کی وفات کے بعد دکھاتا ہے اور تھوڑی سی کی زندگی میں بھی ظاہر کرتا ہے تاکہ جھوٹ اور سچ میں تمیاز ہو سکے اور حق کو ڈھونڈنے والوں کے لیے ایک ذریعہ مہیا ہو جائے۔ نبیوں کے بعد پورے طور پر وہ اپنی قدرت نمائی اس لیے کرتا ہے کہ اگر انبیاء کی زندگی ہی میں خُدا کی قدرت کا پوری طرح ظہور ہو تو بعض لوگوں کو خیال ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ چُست اور چالاک تھے اس لیے اپنی تدابیر میں کامیاب ہو گئے۔ ورنہ ان کی کامیابی سے حق و باطل کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اگر وہ اس قدر ہوشیار ہوتے اور خُدا

کا ہاتھ ان کے ساتھ نہ ہوتا تو چاہیئے تھا کہ اپنی زندگی میں پورے کامیاب ہوتے ۔لیکن ان کے بعد ان کی جماعت کا کامیاب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کے فضل اور تائید سے ان کو کامیابی ہوتی ہے ۔ کسی کی ہوشیاری اور چالاکی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

پس وہ تمام وعدے جو کسی نبی سے کئے جاتے ہیں ۔ وہ سارے کے سارے اسکے ہاتھ پر اور اس کی زندگی میں پورے نہیں کئے جاتے ۔ بلکہ وہ تمام ترقیات جو موعود ہوتی ہیں ۔ انبیاء کی وفات کے بعد ظہور میں آتی ہیں ۔ رسول کا وجود بہت بڑی برکتوں اور انعاموں کا موجب ہوتا ہے ۔ اور اس کی وفات کے بعد بہت سی کمیاں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کی وحی جو کہ نبی کے وقت میں بارش کی طرح ہوتی ہے ۔ بند ہو جاتی ہے ، مگر خدا کے قہری نشان جن کا خدا نے اپنے نبی سے وعدہ کیا ہوتا ہے ۔ بہت وسیع پیمانہ پر بعد میں ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اگر صرف قہری نشانات نے ملک عرب میں ظہور کیا ۔ تو حضور کی وفات کے بعد نشانات قریباً تمام دُنیا میں وسیع ہوگئے اور خدا نے ان ممالک کو جن میں بہت مضبوط لاکھوں کی تعداد میں فوجیں تھیں ۔ تہہ و بالا کر ڈالا ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خُدائی سلسلوں کی ترقی کا تعلق آدمیوں سے نہیں ۔ پس کسی شخص کا بیمار ہونا یا مرنا یا تنزل و ترقی کسی خدائی سلسلہ کو درہم برہم نہیں کر سکتا ۔ اس کے متعلق جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور چونکہ خدا میں کوئی تغیّر نہیں آ سکتا ۔ اس لیے خدا کے قائم کردہ سلسلہ میں بھی کوئی نقص نہیں آسکتا ۔

اس وقت جو ضروری بات میں آپ لوگوں کو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا نبیوں کے وقت میں خدا اپنی قدرت نمائی کیا کرتا ہے ۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب کے وقت اس نے کی ۔ کہ دشمنوں تک نے اقرار کیا کہ یہ ہر میدان میں بڑھ رہے ہیں ، لیکن یہ ترقی موعودہ ترقیوں کیلئے پیش خیمہ کے طور پر ہوتی ہے ۔ نبی کے وقت کی ترقی وہ ترقی نہیں ہوتی ۔ جو اس کے اتباع کے لیے مقدر کی ہوتی ہے بلکہ وہ ایک بیج کی طرح ہوتی ہے ۔ اگر دیکھا جائے تو ایک بیج کو حجم اور سائز کے لحاظ سے بَڑ کے درخت سے کیا نسبت ہے ؟ لیکن کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ وہ درخت اس چھوٹے بیج سے ہی پیدا ہوتا ہے ۔

لیکن ہر ایک ترقی کے ساتھ مخالفت کا ہونا لازمی ہے ۔ کیونکہ جس طرح کسی کا حُسن معلوم نہیں ہو سکتا جب تک کوئی بدصورت چیز موجود نہ ہو ۔ اسی طرح جب تک مخالفت نہ ہو فتح عظیم نہیں ہوتی ۔ ہمیشہ فتح وہی عظیم کہلاتی ہے جس میں مقابلہ بھی بہت ہی عظیم طاقت سے ہو ۔ اور بہادری اسی کی ظاہر ہوتی ہے ۔

جس کا دشمن بھی قوی اور مضبوط ہو بہادری اس کا نام نہیں کہ کوئی مقابلہ ہی نہ کرے اور اس کو مار لیا جائے۔ کوئی کسی جرنیل کی یوں کبھی تعریف نہیں کریگا کہ وہ ایسا بہادر ہے کہ اس نے فلاں ایسا ملک فتح کیا جس میں کوئی فوج نہ تھی۔ کیونکہ اس سے اس کی بہادری ظاہر نہیں ہوتی۔ یا کوئی یہ کہے کہ میں نے فلاں قلعہ فتح کیا جو کہ بالکل خالی پڑا تھا۔ تو یہ بھی اس کی فتح مندی نہیں کہلائے گی۔ پس کسی فوج کی بہادری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جس وقت اس کا مقابلہ بھی نہایت سختی سے کیا جائے۔ ایسے ہی ترقی بھی نہیں ہو سکتی جب تک کہ مخالفت بڑے زور کے ساتھ نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے تو عرب کے لوگ آپؐ کے مقابلہ میں آئے۔ اور وہ یہودی و نصرانی جو اس علاقہ میں رہتے تھے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ آپؐ ایک آدمی تھے اور آپؐ کا مارنا کچھ مشکل نہ تھا، لیکن وہ دشمن دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ جب وہ اکیلا شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) ملک عرب کے بہادروں کو پچھاڑ کے سب کو اپنے ماتحت لے آیا۔ پس آپؐ کی کامیابی اگر اس لحاظ سے دیکھی جائے کہ آپ اکیلے تھے۔ تو واقعی بہت بڑی تھی۔ مگر اس کامیابی کے مقابلہ میں جو حضور کی وفات کے بعد حضور کے اتباع کو ملی بہت کم تھی اور یہی قدیم سے سنت اللہ ہے۔ اگر آپؐ نے اپنی زندگی میں ملک عرب کو زیر فرمایا تو آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے اتباع نے ان ممالک پر قبضہ کیا جو کہ ساری معلومہ دُنیا میں قابلِ ذکر تھے۔ ایرانی سلطنت وہ سلطنت تھی جس کا اثر چین تک تھا اور ہندوستان پر بھی اس کا اثر تھا۔ کابل و بلوچستان وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔ تو ایرانی سلطنت کو زیر کر کے گویا مسلمانوں نے سارے ایشیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ادھر دوسری طرف رومی سلطنت وہ تھی جس کے ماتحت تمام ایشیائے کوچک بلگیریا۔ مصر۔ آسٹریا کے علاقہ اٹلی۔ طرابلس۔ مراکش۔ الجزائر۔ جرمن کے بعض علاقے۔ پولینڈ وغیرہ تک قبضہ تھا تو گویا یورپ سارے پر صرف ایک رومی سلطنت کو فتح کر کے مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

پس اسی طرح تم یہ مت سمجھو کہ اگر تم نے محمد حسین بٹالوی یا مولوی ثناء اللہ کو شکست دے لی تو اپنا کام ختم کر لیا۔ حضرت مسیح موعود صرف پنجاب کے لیے نہیں تھے اور نہ وہ صرف مسلمانوں کے لیے ہی تھے۔ بلکہ آپ کی بعثت تمام دنیا اور تمام مذاہب کے لوگوں کے لیے تھی۔ اس لیے جب تک پادریوں کو، ہندوؤں کو، سکھوں کے عالموں کو دلائل کی رُو سے شکست نہ ہو جائے۔ اس وقت تک گویا ہم نے مذہباً پنجاب کو بھی شکست نہیں دی اور پھر حضرت مسیح موعود صرف پنجاب کے لیے ہی نہ آئے تھے بلکہ ہندوستان کے لیے بھی آئے تھے۔ اس لیے تمام ہندوستان میں جس قدر مذاہب ہیں جب تک ان کو شکست نہ ہو لے اس وقت تک ہم اپنے تئیں فتحیاب اور کامیاب نہیں کہہ سکتے، لیکن ابھی تک

ہندوستان میں بھی بہت سے علاقہ ہیں جن سے مقابلہ نہیں ہوا۔ اور ان کو دلائل و براہین حقہ سے شکست نہیں دی گئی۔ پھر حضرت صاحب ہندوستان کے لیے ہی نہ تھے۔ بلکہ آپ افغانستان۔ ایران۔ شام۔ عرب اور یورپ کے تمام ممالک امریکہ۔ افریقہ اور ایشیا کے دیگر ممالک کے لیے بھی آئے تھے۔ اس لیے ان تمام ملکوں کے لوگ جب تک ہم سے مذہبی مقابلہ میں شکست نہ کھائیں ان کی کوئی شکست نہیں اور ہماری کوئی فتح نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیطان کے مرکز کو اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی توڑ دیا تھا اور شیطان کو میدان سے بھگا دیا تھا۔ مگر اب وہ قلعوں میں پناہ گزین ہو گیا ہے۔ ہماری گورنمنٹ کے بڑے بڑے جرنیلوں نے اپنی اپنی تقریروں میں ظاہر کیا تھا کہ جنگ اصل میں اس وقت ہو گی جس وقت ہم جرمن کے ملک میں گھسیں گے اور وہ مختلف قلعوں میں بیٹھے بیٹھے لڑائی کریں گے۔ موجودہ جنگ جبکہ دشمن کھلے میدان میں مقابلہ کے لیے اپنی فوجیں لیے کھڑا ہے۔ اس کی نسبت آسان ہے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ نے مرکزی طور پر اور اُصولاً تمام مذاہب کو شکست دیدی ہے۔ لیکن خطرناک جنگ تو اس وقت ہو گی جس وقت ہر جگہ اور ہر مقام پر مقابلے ہوں گے۔ ساری دُنیا کو دلائل کے زور سے فتح کرنا ہے اور جب تک دُنیا کو اسلام کے ماتحت نہ لے آویں ہمارا کام ختم نہیں ہوتا اور جب تک مخالفین اقرار نہ کریں اس وقت تک ہمارے لیے رُکنے کا مقام نہیں۔

پس جس قدر ہمارا کام زیادہ ہو گا۔ مخالفت بھی زیادہ ہو گی۔ اور وہ وقت آ گیا ہے کہ ہماری ہر طرف سے سخت مخالفت ہو۔ اور ہمیں ہر طرح تکلیف اور دُکھ دیا جاتے۔ اس وقت ہمارا کیا کام ہو گا۔ اس آیت میں جو مَیں نے پڑھی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ولما را المومنون الاحزاب قالوا ھٰذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ ومازادھم الا ایماناً وتسلیما۔ کہ جب مومنین نے اپنے مخالفین کو گروہ در گروہ دیکھا تو وہ اس نظارے اور مخالفت کے جوش اور دشمنوں کی تعداد سے گھبرا نہیں گئے بلکہ کہا کہ یہ تو وہی ہے جس کی اللہ اور اس رسولؐ نے ہمیں قبل از وقت اطلاع دیدی تھی۔ اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کہا تھا وہ سب سچ اور حق ہے۔ اور اس نظارے سے بجائے ایمان میں کسی قسم کی کمزوری پیدا ہونے کے وہ ایمان اور تسلیم میں اور زیادہ بڑھ گئے

مومن کی کیا شان ہے؟ یہی کہ جوں جوں اس پر خدا کی راہ میں شدائد ومصائب کا زور ہو وہ اپنے قدم کو آگے ہی آگے بڑھاتے۔ اور ثابت قدمی سے ثابت کر دے کہ ایمان یہ چیز ہے۔ بُزدل آدمی کا قاعدہ

ہوتا ہے کہ گھر میں بیٹھ کر بہت باتیں بنایا کرتا ہے اور کہتا ہے۔ اگر فلاں میرا دشمن آتے تو میں یوں اُسکا مقابلہ کروں یوں اسے ماروں، لیکن جب وہ آدمی سامنے آجاتا ہے تو اس کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ مگر بہادر کی حالت بُزدل سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہ گھر باتیں نہیں بناتا۔ بلکہ میدان میں زور دکھاتا ہے اور جس قدر مشکلات میں پڑتا ہے۔ اسی قدر اس کی شجاعت اور دلیری زیادہ صفائی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ پس مومن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مشکلات سے گھبرا کر نہ رُکتا ہے نہ ہٹتا ہے بلکہ اور زیادہ تیزی سے آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے اور جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھا ہے وہی لوگ دُنیا میں شادکام اور کامیاب ہوتے ہیں۔

اہلِ یورپ نے سیاست کو خوب سمجھا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ شدائد میں وہ سُست ہونے کی بجائے زیادہ ہمت اور جرأت سے کام کرتے ہیں۔ فرانس میں کچھ لوگ پیدا ہو گئے تھے جو صلح کرنا چاہتے تھے۔ اور باقی ملک تلوار سے دشمن سے فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ دونوں قسم کے لوگ خیر خواہِ ملک تھے۔ مگر جب جرمن نے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے شروع کئے تو وہ لوگ جو صلح چاہتے تھے انہوں نے بھی ملک کی حفاظت کے لیے تلوار سے فیصلہ کرنے کو ہی زبانی باتوں سے صلح کرنے پر ترجیح دی۔ اگرچہ صلح پسندوں کو بزدل کہا جاتا تھا۔ مگر جب جرمن نے زور سے حملہ شروع کیا تو وہی لوگ جن کو بُزدل خیال کیا جاتا تھا۔ میدان میں دشمن سے مقابلہ میں مصروف ہو گئے۔ اور اس طرح انہوں نے ثبوت دیدیا کہ ہم جو صلح کے طالب تھے۔ تو بزدلی کی وجہ سے نہ تھے بلکہ ملک کی خیر خواہی ہمارے خیال میں صلح کی صورت میں تھی۔

مسلمانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس وقت دشمنوں نے ان پر زیادہ سختی کی اور نہایت خطرناک صورت پیدا ہو گئی اور دشمن گروہوں کے گروہ بڑھے چلے آئے تو اس وقت وہ گھبراتے نہیں بلکہ مقابلہ کو ہی انہوں نے اپنے بچاؤ کی صورت خیال کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ تو وہی ہے جس کا ہمیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا۔ پس اگر آج ہم پر ہمارے مخالفین طرح طرح کے حملے کر رہے ہیں۔ تو ہم اس سے کیسے گھبرا سکتے ہیں۔ ہم تو خوش ہیں کہ سبحان اللہ آج سے تیرہ برس بیشتر حضرت مسیح موعودؑ نے الوصیت میں ہمیں بتلا دیا تھا کہ ابتلاء پر ابتلاء آئیں گے حتیٰ کہ بعض بدقسمت ارتداد کی راہ اختیار کریں گے۔ پس ہمارے لیے تو خوشی کا مقام ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی ایک اور پیشگوئی پوری ہوئی۔ اللہ اور اس کے رسول کے وعدے سچ اور حق ہیں۔

بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو زبانی کہا کرتے ہیں۔ ہم کسی کی کیا پرواہ کرتے ہیں۔ مگر جب مقابلہ

پڑے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں، لیکن یہاں خدا تعالیٰ مومنوں کے متعلق فرماتا ہے کہ جب مقابلہ پڑتا ہے اسی وقت ان کی زبان سے یہ نکلتا ہے کہ یہ موقع ہمارے لیے گھبرانے اور تشویش کرنے کا نہیں کیونکہ یہ حملے اور سختیاں تو خدا اور رسول کے فرمودہ کے بموجب ہیں۔ پھر گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا وجہ ہے۔

مصائب اور ابتلاء ہی جھوٹے اور سچے میں فرق کیا کرتے ہیں اور تکالیف میں ہی یہ حقیقت ظاہر ہوا کرتی ہے کہ حقیقی ایمان کس کا ہے اور کون ایمان سے خالی ہے۔ یوں تو ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اور نورالدین مسیح موعود علیہ السلام کے حضور میں کبھی خود آگے بڑھ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ سر جھکائے پیچھے بیٹھے رہتے تھے۔ برخلاف اس کے عبداللہ ابن ابی ابن سلول رسول اللہ کے حضور اور وہ لوگ جو الگ ہو گئے ہیں۔ مسیح موعود کے حضور آگے آگے ہو کر بیٹھتے تھے، لیکن جنگ اور ابتلاء کے وقت میں کسی نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کہاں اور عبداللہ بن ابی کہاں تھا؟ عبداللہ بن ابی تو حضورؐ کو روکتا ہے اور کہتا ہے۔ جنگ سے فائدہ ہی کیا۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریمؐ کے آگے آگے ہیں۔

پس جو بہادر آدمی ہوتے ہیں وہ وقت پر اپنے جوہر دکھلاتے ہیں اور جو بزدل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی چال ڈھال سے تو بہادری ظاہر کرنا چاہتے ہیں، مگر اپنے اس اظہار میں جھوٹے ہوتے ہیں۔ وہ خطرہ سے پہلے ایمان ایمان کا شور مچاتے ہیں۔ مگر جب خطرہ آتا ہے تو ایمان کو چھوڑ چھاڑ بیٹھتے ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو درحقیقت ایماندار ہوتے ہیں۔ خطرہ سے پہلے خاموش رہتے ہیں اور جب خطرہ آجاتا ہے تو پھر جان تک لڑا دیتے ہیں۔ پس بزدل اور ایمان میں کچے خطرے اور مصائب سے پہلے دعاوی بہت کرتے ہیں۔ مگر وقت پر بودے نکلتے ہیں۔ اور ایمان دار پہلے اپنی کمزوریوں کا اقرار کرتے ہیں اور کوئی بڑائی کی بات نہیں کہتے۔ بلکہ خطرے کے وقت ان سے کوئی کمزوری ظاہر نہیں ہوتی۔

تو جس قدر ابتلاؤں اور سختیوں میں شدت ہوتی جائے گی۔ جو سچے ایماندار ہیں۔ ان کے ایمان میں میں زیادتی ہوگی۔ اور ان کی قربانیاں بڑھتی جائیں گی۔ اور ان کو اور دین کی خدمت کا جوش ہوگا۔ اور اخلاص بڑھتا چلا جائے گا اور جو کمزور ہوں گے وہ الگ ہو جائیں گے۔

حضرت نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آیا ہے کہ آپ ایک دفعہ رستہ میں چلے جا رہے تھے اور مریدین ساتھ تھے۔ رستہ میں ایک چھوٹا بچہ ملا۔ آپ نے اس کا منہ چوم لیا۔ تمام مُرید جو ساتھ تھے انہوں نے بھی اس بچہ کا منہ چوما، لیکن آپ کے بعد جو آپ کے خلیفہ ہوتے۔ وہ خاموش کھڑے رہے باقی مریدوں نے ان پر نفاق کا فتویٰ لگایا۔ مگر وہ خاموش رہے۔ اسی طرح پھر حضرت نظام الدین راستہ میں چلے جا رہے تھے۔ کہ ایک بھٹیارہ آگ جلا رہا تھا۔ آپ نے بڑھ کر اس آگ کو چوم لیا۔ جو آپ کے

خلیفہ ہوتے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا مگر اور جو مُرید تھے وہ خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ان کے ہونے والے خلیفہ نے کہا کہ اب کیوں نہ تم نے آگ کا بوسہ لے لیا۔اگر پیر کی اتباع ہی کرنا تھی۔ تو آگ پر جُھکنا تھا۔

غرض مصائب اور مشکلات میں ہی انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔مسیح موعودؑ کے وقت میں ہماری ترقی ہوئی مگر وہ اس ترقی کے مقابلہ میں جس کا حضرت مسیح موعودؑ کی زبان سے ہمیں وعدہ دیا گیا ہے۔بہت کم ہے اور حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب الوصیت میں تحریر فرمایا ہے کہ جب تک میں نہ جاؤں قدرت ثانی نہیں آسکتی۔اس کے آنے کے لیے میرا جانا ضروری ہے۔اور قدرتِ ثانی کے ذریعہ ترقیاں خدا کی طرف سے ظہور میں آئیں گی پس کوئی مصیبت اور تکلیف اور سختی مومن کے قدم کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے سال میں بجٹ بناتے ہوتے خواجہ صاحب وغیرہ کی طرف سے کہا گیا کہ اس سال قحط ہے۔اس لیے بجٹ تھوڑا بنایا جاتے۔جس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا نہیں چونکہ اس دفعہ قحط ہے اس لیے بجٹ زیادہ بنایا جاتے۔آپ نے فرمایا کہ مومن مصائب اور تکالیف سے گھبرا کر دینی کاموں میں سُست نہیں ہوا کرتا۔پس یہ سچائی جیسے اُس وقت سچائی تھی آج بھی سچائی ہے۔

تو مَیں آپ لوگوں کو جو یہاں ہیں اور ان کو جو بیرونجات میں ہیں۔آگاہ کرتا ہوں کہ ہمارے مخالف بہت زور کے ساتھ اور اپنے تمام سامانوں کے ساتھ اُٹھتے ہیں کہ ہم کو کُچل ڈالیں،لیکن یہ آزمائش کا وقت ہے۔اس لیے ہمیں پہلے سے زیادہ استقامت اور قربانی دکھانی چاہیئے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس امتحان میں پورا فرماوے۔اور اس کے فضل اور رحمتیں ہمارے شاملِ حال ہوں۔ہم اس کے فضلوں اور انعاموں کے وارث ہو جائیں۔آمین ۞

(الفضل ۹ رجولائی ۱۹۱۸ء)